سید محمد یونس بخاری

بیادِ بطلِ حریت، مجاہد ختم نبوت، آغا شورش کاشمیریؒ

اسلام کا فرزند

انیسویں صدی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں برطانوی استعمار نے فرزندانِ اسلام کو آزمانے کے لئے نئی روشِ لطف و ستم کی بنا ڈالی۔ نت نئی سازشوں اور ہتھکنڈوں کو مسلم کشی کے لئے استعمال کر کے عہد رفتہ کو بھی شرمندہ کر دیا۔ امت میں خانہ ساز بند شیں کھڑی کر کے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کا گر صرف زرخیز استعماری ذہن ہی میں آ سکتا تھا۔ مغربی طاقتیں یہ حربہ آزمانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے اپنی صلاحیتوں کے خوب جوہر دکھاتی رہیں۔ برصغیر انکار خاص تختۂ مشق تھا۔ یہاں لوگوں کو خریدا اور ان کے قلوب و اذہان کو اپنے مخصوص افکار و نظریات کے مکروہ سانچے میں ڈھالا گیا۔ انقلاب زندہ باد کا نعرۂ رستا خیز بلند کرنے والی زبانیں گنگ کرنے کے لئے قتل و غارت گری، مسلح دہشت گردی، عبور دریائے شور، قید و تبید اور ظلم و تشدد کا ہر داؤ استعمال کیا گیا مگر یہ دجل و تلبیس فرنگی کے کام نہ آسکی۔

سنت الہیہ ہے کہ ہر دور میں ایسے حس آفیں، حیری، محبِ وطن، اہل علم و دانش حضرات کو توفیق ارزانی کی جاتی ہے جو اپنے عہد میں کافرانہ تحریکات کے تار و پود بکھرتے اور خاصیوں کے مقابل سیسہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں۔ ماضی قریب میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، شیخ السلام مولانا سید حسین احمد مدنی، امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد، بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حکیم الامت علامہ محمد اقبال، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ اور باطل حریت مولانا آغا عبدالکریم شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اسی قافلۂ جذب و جنوں کے سرخیل و حدی خواں رہے ہیں۔ آغا شورش کی خطابتی معرکہ آرائیاں، قلم کی جولانیاں، شاعری کا بانکپن، صحافتی پھبن اور ادیبانہ رعنائیاں صرف استخلاصِ وطن، دفاعِ وطن، تحفظِ ختم نبوت اور علائے کلمتہ الحق کی فکر انگیز، ولولہ خیز، جہد حریت سے لبریز اور عشقِ رسالت سے معمور و مسحور کیفیات سے مستنیر تھیں۔ اس معاملے میں وہ کسی مصلحت کوشی کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے حالات کے جبر کی تند خو موجوں کا سینہ چیر کر اپنے لئے ایک کٹھن راستہ چنا اور عمر بھر اسی پر گامزن رہنا اعزاز و افتخار سمجھا۔ کوئی سا جبر و اکراہ انہیں لرزیدہ پا نہ کر سکا۔

وہ عجیب وحشت اثر رتیں تھیں کہ جن سے لڑنے کی سکت نہ پا کر کئی ناموروں نے من موجیوں کی راہ اختیار کر لی ممتاز کالم نگار چراغ حسن حسرت فوج افرنگ میں شامل ہو گئے۔ سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں جب اتحادی فوجیں ساحل ملایا پر اتریں تو حسرت ہراول دستہ میں تھے۔ دو سال سے زیادہ عرصہ سنگار پور میں رہے۔ وہ جنوب مشرقی ایشیائی کمان کے شعبۂ تعلقات عامہ سے وابستہ تھے ہیڈ کوارٹر سے شائع ہونے والے عسکری اخبارات کی ادارت و نگرانی کا فریضہ ان کے ذمہ تھا۔ ہم دونوں (حمزہ اور میجر مسعود احمد) ان کے معاون و نائب تھے۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری سانگ پبلسٹی آرگنائزر کے طور پر حکومت کے ملازم تھے۔ جب مسلمانانِ ہند نے فوجی بھرتی بائیکاٹ کی تحریک چلائی تو وہ نوجوانوں کو فوج میں شمولیت کی دعوت دیتے۔ بقول سردار جعفری جنگ آزادی کی لہر اونچی اٹھی تو حفیظ آزادی کے نغمے گانے کی بجائے برطانوی جنگی مقاصد کے نقیب ہو گئے۔ فیض احمد فیض بھی برطانوی فوج میں تھے لیکن تاحیات اس کی نامعقول توجیحات کرتے رہے۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمہ پر حسن چراغ حسرت نے

فیض کو لکھا کہ آپ کرنل نہ بن سکے اور میں کپتین نا ہو سکا اب تو:

۔سنی بھی ختم اسکے ساتھ جاپانی بھی ختم
تیری کرنلی بھی ختم میری کپتانی بھی

ممتاز مزاح نگار کرنل محمد خاں آرمی کہ اس بریگیڈ میں سیکنڈ لفٹینٹ تھے جو سرحدی علاقے میں فرنگی سے برسرپیکار فقیر ایپی کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ پطرس بخاری کے بھائی زیڈ۔اے بخاری دوسی عالمگیر جنگ میں بی بی سی سے منسلک اور برطانوی امپریلیزم کا پراپیگنڈہ کرتے تھے بعد میں وہ ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر نے اخبار نویسوں کی ایک لمبی چوڑی ڈار بھی انگریز کی خیر خواہی کا دم بھرتی تھی۔ مہروسالک اس تیز قدمی میں ممتاز تھے۔ نامور شاعر عرش ملیسانی بھی حفیظ کے ساتھ ہیڈ کلرک تھے۔

ایک طرف گروہ شکم پروراں کی طویل قطار تھی تو دوسری طرف رسن ودار کے رسیا حریت پسند کن برحوش فرزندانِ وطن کا قافلۂ عشق ومستی تھا جسکے کمالات حسنہ تاریخ کا عنوانِ جلی ہے۔ مولانا فضل الحسن حسرت موہانی، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، چودھری افضل حقؒ، جوش ملیح آبادی، صوفی غلام مصطفیٰ تبسمؒ، احسان دانشؒ، شورش کاشمیریؒ، اختر شیرانی، حمید نظامی، رابندرناتھ ٹیگور، میر خلیل الرحمنؒ، جگر مراد آبادیؒ، سید ابوذر بخاریؒ، مولانا معین الدین اجمیریؒ، احسن عثمان، ساحر لدھیانوی، علامہ حسین میر کاشمیری، عبداللہ ملک، مولانا اسمعیل ذبیح، مولانا بہاء الحق قاسمیؒ، اور جانباز مرزاؒ اس کاروانِ سخت جان کے اراکین وراہنما تھے۔ جنوبی ایشیا کے یہ تمام اربابِ دانش و حکم وطن کی آزادی کامل کے طلبگار تھے۔ برٹش امپریلزم کو زچ کرنے کے لئے انہوں نے ایک عظیم انقلابی تحریک برپا کر رکھی تھی کہ مسلمانانِ ہند کو فرنگی افواج میں بھرتی ہونے سے روکا جائے۔ برصغیر کے کونے کونے میں جلسے جلوسوں کا سماں تھا جن میں قائدین انقلاب خطاب کر کے عوام کو حقائق سے آگاہ کرتے انہیں فوجی بھرتی کے بائیکاٹ پر آمادہ کرتے۔ طبقۂ خود فروشاں کے برعکس آغاجیؒ کا قلم شعلہ فشاں تھا۔ اور زبان برق تپاں جولائی 1939ء میں ملتان میں ایسا ہی ایک بڑا اجتماع تھا۔ حضرت شورش نے خطاب کیا مجمع بڑا پرجوش مگر گفتار شورش پر ہمہ تن گوش وہ شہیدانِ حریت کی بات کرتے ہوئے پشاور میں پٹھانوں کے بہیمانہ قتل اور جلیانوالہ باغ کے جور وستم بیان کر رہے تھے۔ لوگوں میں جنوں کی انتہا تھی۔ آغاجیؒ کے اشعار نے جلتی پر تیل کا کام کیا تقریر کیا اک آتشِ سوزاں تھی جس نے آن کی آن میں پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اشعار کچھ یوں تھے۔

اے لشکر ملت کے رضا کار جوانو — آزادی کامل کے طلبگار جوانو
تقدیر کو تدبیر کے پاؤں پہ جھکا دو — ناموسِ وطن کے لئے جانوں کو لڑادو
مزدور امارت کا لہو چاٹ رہے ہوں — صیاد کا سرابل قفس کاٹ رہے ہوں
غدار زمانے میں اماں ڈھونڈ رہے ہوں — برباد حکومت کے نشاں ڈھونڈ رہے ہوں
لینا ہے مجھے دیس کی تذلیل کا بدلہ — ناموس کی بجھتی ہوئی قندیل کا بدلہ
بدلہ ہے پشاور کے پٹھانوں کے لہو کا — پنجاب کے معصوم جوانوں کے لہو کا
اب جلیانوالہ کے شہیدوں کو پکارو — افغانوں کے پر جوش جوانوں کو پکارو

شہر کا گوشہ گوشہ انقلاب زندہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ آنریری مخبر اور برطانوی ایجنٹ لرزہ براندام تھے۔ سرکاری گماشتے بوگیروں کی طرح ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر آغا جیؒ کو تلاش کر رہے تھے۔ آخر حسین آگاہی کی ایک چھوٹی سی مسجد سے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ تھپڑ، گھونسے، ٹھڈے، ڈنڈے اندھا دھند استعمال کئے گئے آزادی کے طلبگار پر سر عام تشدد کی انتہا کر دی گئی۔ وہ لہولہان ہو گئے۔ انہیں نیم بیہوشی کی حالت میں تھانے لیجایا گیا وہاں ایک بار پھر زبردست دھنائی کی گئی۔ کیوں نہ ہوتا جو برطانیہ کے باغی اسی سزا کا مستحق تھا۔ بعدازاں مقدمہ چلا اور ستمبر 1939ء میں شورش کاشمیریؒ کو چھ سال قید بامشقت کی سزا سنا کر پسِ دیوار زنداں بھیج دیا گیا۔ اسی قید کے دوران انہیں اپنے جواں سال بھائی اقبال یورش کی ناگہانی موت کا صدمہ جانکاہ جھیلنا پڑا۔ ستم بلائے ستم کہ انہیں اپنے لاڈلے کے جنازے میں شرکت کی اجازت بھی نہ دی گئی۔ وہ اپنے پیارے کی پیشانی پر الوداعی بوسہ تک نہ دے سکے۔ یہ بڑا ہولناک نفسیاتی حربہ تھا مگر بطل حریت تشنہ لبی کے اس کرب سے بھی کامیاب نکلا۔ اس کے جذب صادق میں سرِ مو فرق نہ آیا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ آغا جیؒ کا آتش بار قلم مزید بڑھ چڑھ کر شعلہ فشانی کرنے لگا

اُجڑے ہوئے باغوں کی بہاروں کو پکارو
گردوں پہ شہادت کے ستاروں کو پکارو
یہ ملک ہوا جنکے تشدد کا نشانہ!!
اب ان کی تباہی کا بھی آتا ہے زمانہ
اس قہر سے یورپ کا نکلنا نہیں ممکن
بے کام کئے موت کا ٹلنا نہیں ممکن
مقتل سے اٹھا لاؤ شہیدوں کے سروں کو
آواز دو! آواز تباہ حال گھروں کو

دسمبر ۱۹۴۴ء کو رہا ہوئے۔ تین چار ماہ بعد پھر ایک سال کے لئے نظر بند کر دیئے گئے۔ کہا کرتے تھے۔

"میں نے اپنے پندرہ سالہ عرصۂ اسارت میں دو یا تین عیدیں گھر میں منائیں باقی سب چھوٹی بڑی عیدیں نذرِ زنداں ہو گئیں لیکن میں نے وقت ضائع نہیں کیا۔ ایام اسیری میں مولانا محمد گلشیر شہیدؒ سے قرآن پاک با ترجمہ پڑھا اور سیرت طیبہ کا بنظرِ نمائر مطالعہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ محبت میں وارفتگی کی انمٹ اور پرشکوہ کیفیات پیدا ہو گئیں جو میرا اثاثہ ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے دن اگر ذکرِ خدا کی خوشبو سے مہکتے ہوں اور راتیں خشیت الٰہی کی شمع سے روشن ہوں تو کوئی ساخوف، لالچ اور مصلحت انہیں راہِ حق سے ہٹا نہیں سکتی۔ اپنے رب سے لو لگا کر وہ ایثار پیشہ اور شیر بیشہ بن جاتے ہیں۔"

واقعتاً یہ باتیں آغا جیؒ کے حسبِ حال تھیں۔ وہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے عظمت کا مینار تھے۔ قید و بند کی صعوبتوں کے باوصف وہ اپنے مشن سے کبھی دستبردار نہ ہوئے، ازمائش کی کٹھنائیوں سے بڑے کٹ کھنے انداز سے گذرے۔ جبر، حرص اور ہوس کے سامنے وہ کبھی لچکے، جھکے نہ بکے بلکہ انکے تہور میں نکھار پیدا ہوتا۔ اسارت کے